مراسلت

پروفیسر ظفر علی قریشی، لاہور

["عالم اسلام اور عیسائیت" کے شمارہ بابت جون ۱۹۹۲ء میں پروفیسر ظفر علی قریشی کی انگریزی تالیف "خلفائے راشدین اور بنو امیّہ کے زمانے میں مسیحی دُنیا سے مسلمانوں کا عسکری تصادم" پر تبصرہ شائع کیا گیا تھا۔ اس تبصرے پر پروفیسر قریشی کی طرف سے ہمیں چھ صفحات کا ایک تفصیلی خط اور اُن کی اس تالیف کے بارے میں بعض مبصّرین کی تعریفی آراء کے اقتباسات موصول ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے خط میں اپنے انداز تالیف کو درست قرار دیا ہے اور اس کے ساتھ تبصرہ نگار کی غلطیوں کی "چند مثالیں" دے کر اپنا نقطۂ نظر واضح کیا ہے۔ جہاں تک اندازِ تالیف کے موزوں یا غیر موزوں ہونے کا تعلق ہے، اس سلسلے میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ "پسند اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا"، البتہ اُن کے خط کا وہ حصہ نقل کیا جاتا ہے جس میں اُنہوں نے اپنے خیال میں تبصرہ نگار کی غلطیاں واضح کی ہیں۔ مراسلے کے آخر میں تبصرہ نگار کا نقطۂ نظر بھی موجود ہے۔]

"اتفاق سے آپ کے موقر جریدے "عالم اسلام اور عیسائیت" کا جون کا شمارہ دیکھنے کا موقع ملا۔ اس میں میری کتاب "خلفائے راشدین اور بنو امیہ کے زمانے میں مسیحی دُنیا سے مسلمانوں کا عسکری تصادم" بزبان انگریزی کا تبصرہ --- پڑھ کر بعض مقامات پر سخت حیرت اور تعجب ہوا۔ اس سلسلے میں چند گزارشات پیش کر رہا ہوں۔

تبصرہ نگاروں کو یہ حق ضرور پہنچتا ہے کہ اپنی آراء بلاکم و کاست بیان کریں لیکن یہ بات ضرور ملحوظ رکھنی چاہیے کہ تبصرہ بے لاگ ہو اور غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے۔ اگر ایسا کیا جاتا ہے تو تبصرہ کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ فاضل تبصرہ نگار نے اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

۱۔ انہوں نے اپنے تبصرہ (صفحہ ۲۸) میں لکھا ہے کہ اِس موضوع پر میرے مضامین جو "اسلامک لٹریچر" لاہور میں ۱۹۶۸ء میں طبع ہوئے تھے۔ "معمولی اضافوں" کے ساتھ زیر تبصرہ کتاب کی صورت میں یکجا کر کے شائع ہوئے ہیں۔ یہ صریحاً غلط ہے۔

مذکورہ بالا مضامین جو "اسلامک لٹریچر" میں شائع ہوئے تھے ان میں پیش گوئی دانیال نبی موسوم Abomination of Desolation (جس کا ترجمہ تبصرہ نگار نے اجاڑنے والی مکروہ چیز"

سے کیا ہے) کی طویل بحث درج نہیں ہے۔ یہ بحث اس کتاب میں صفحات ۳۵ لغایت ۱۳۸ تک پھیلی ہوئی ہے۔

خود فاضل نقاد نے اس بحث کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے تبصرہ میں تسلیم کیا ہے کہ "پروفیسر قریشی نے اس موقع پر طویل بحث کی ہے۔" سو تقریباً سو صفحات کی بحث کو جس میں ایک سو اکتالیس مصنّفین کے اقتباسات درج ہیں، کو "معمولی اضافوں" قرار دیا ہے۔ یا للعجب!

[۲]۔ فاضل تبصرہ نگار نے لکھا ہے "پروفیسر قریشی نے صلیبیوں کے مظالم پر اسّی مسلم اور مسیحی اہل قلم کے ایک جیسے اقتباسات درج کیے ہیں۔" ان مظالم پر بحث کرتے ہوئے میں نے S.No. 148 سے S. No. 290 تک مختلف مصنّفین کے حوالے دیے ہیں، حساب سے ایک سو بیالیس مصنّفین بنتے ہیں۔ فاضل نقاد نے ان کو صرف اسّی شمار کیا ہے۔ معلوم نہیں حساب کے کون سے قاعدے سے یہ تعداد انہوں نے گردانی ہے؟

رہا سوال ایک جیسے اقتباسات کی "پھبتی" [کا]، سو میں نے مسیحی صلیبیوں کے مظام کی داستان (اکثر و بیشتر مغربی مؤرخین اور مصنّفین کے حوالے سے درج کیے ہیں [کذا] جِس میں انہوں نے نہایت بربریت اور بہیمیت سے ستّر ہزار مسلمان، مرد عورت اور بچوں کو تہ تیغ کر دیا اور تمام یہودیوں کو ان کی عبادت گاہوں میں زندہ جلا دیا۔) بیان کی ہے۔ تو کیا ایک ہی قسم کے اقتباسات درج کرنے کی بجائے اُن کو اِن مظالم کی داد دیتا؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ فاضل نقاد کیا چاہتے ہیں کہ اس مسیحی صلیبی جنگ کو "محبت اور آشتی" کے رنگ میں پیش کروں؟ جیسا کہ مسیحی اقوام اور مسیحی مصنّفین مسیحیت کو "محبت اور الفت کا مذہب" بیان کرنے سے نہیں تھکتے۔ بسوخت علم از حیرت ایں چہ بوالعجبی است!

[۳]۔ فاضل تبصرہ نگار نے ایک جگہ میرا نام بھی ظفر علی قریشی کی بجائے ظفر احمد قریشی درج کیا ہے۔ (صفحہ ۳۰)

[۴]۔ اب میں ایک وقیع موضوع کی طرف آتا ہوں۔ فاضل نقاد نے ص ۳۰-۳۱ پر اپنے تبصرہ میں لکھا ہے کہ "پروفیسر ظفر احمد قریشی کی زیر تبصرہ تالیف اس لحاظ سے قابل قدر ہے کہ بعض مغربی اہلِ قلم کے اعتراضات دوسرے حضرات کی آراء سے غلط ثابت کیے گئے ہیں مگر اس انداز تالیف میں الجھن یہ ہے کہ ایک ہی مصنّف سے تائیدی اقتباس لے کر دوسری جگہ اسے بد دیانت یا متعصّب کہا جاتا ہے تو پہلی دلیل میں وزن نہیں رہتا۔"

فاضل نقاد ان دو فقروں میں تضاد بیانی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایک طرف اس طریقۂ تالیف کو "قابلِ قدر" قرار دیتے ہیں اور دوسری سانس میں اس کو ناپسندیدہ اور مطعون گردانتے ہیں۔

اس کے علاوہ فاضل نقاد نے تسلیم کیا ہے کہ بعض مغربی اہلِ قلم کے اعتراضات دوسرے حضرات کی آراء سے غلط ثابت کیے گئے ہیں۔ سو کیا سب کے سب مغربی مصنّفین متعصّب یا بددیانت ہیں یا ان میں ایسے حضرت کی کمی نہیں ہے جو باوجود صدیوں کے مذہبی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر حق بات اسلام اور بانئ اسلام ﷺ کی نسبت بیان کرتے ہیں۔

دوسرے اگر ایک مغربی مصنّف ایک جگہ غلط بیانی سے کام لیتا ہے لیکن دوسری جگہ حق گوئی سے کام لیتا ہے تو کیوں کہ اس نے ایک جگہ غلطی کی ہے، اس کی بات جو دوسری جگہ حق پر مبنی ہے، اس کو رد کر دیا جائے۔ فاضل نقاد کی الجھی ہوئی منطق سمجھ میں نہیں آتی---- فاضل نقاد کا یہ اعتراض درخورِ اعتناء نہیں ہے۔

فاضل نقاد کے علاوہ بھی بعض اہلِ قلم حضرات اور مقتدر ہستیوں نے میری کتاب پر اچھی آراء دی ہیں---"

تبصرہ نگار کا نقطۂ نظر

[پروفیسر قریشی نے تبصرہ نگاری کا جو اصول بیان کیا ہے کہ "تبصرہ بےلاگ ہو اور غلط بیانی سے کام نہ لیا جائے۔" اس سے شاید ہی کسی پڑھے لکھے شخص کو اختلاف ہو گا۔ یہ الگ بات ہے کہ کم ہی مصنّفین کو اپنی کتابوں پر "بےلاگ" تبصرے پسند آتے ہیں۔

پروفیسر قریشی نے تبصرہ نگار کی چار "غلط بیانیوں" یا نرم الفاظ میں "صریح اغلاط" کی نشاندہی کی ہے۔ ذیل میں حقائق کی کسوٹی پر تبصرہ نگار اور پروفیسر قریشی کے نقطۂ نظر کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

ا۔ پروفیسر قریشی کی کتاب کا اصل موضوع اس کے عنوان یعنی "خلفائے راشدین اور بنو امیہ کے زمانے میں مسیحی دُنیا سے مسلمانوں کا عسکری تصادم" سے واضح ہے۔ پہلے باب کا ابتدائی حصہ اور باقی تین ابواب موضوع کا احاطہ کرتے ہیں البتہ پہلے باب کا وہ حصہ جس میں دانی ایل نبی کی جانب منسُوب پیش گوئی کا مصداق تلاش کرتے ہوئے پہلی صلیبی جنگ اور اِس میں صلیبیوں کے مظالم سے بحث کی گئی ہے، براہِ راست موضوعِ کتاب سے کافی دور ہے اور اس کا احساس خود پروفیسر قریشی کو بھی ہے۔ (دیکھیے دیباچہ کتاب)

ماہنامہ "اسلامک لٹریچر" (لاہور) میں شائع شدہ مضامین تبصرہ نگار کی نظر سے برسوں پہلے گزرے تھے اور اپنی یادداشتوں کے حوالے سے اُس نے تبصرے میں یہ لکھ دیا کہ "یہی مضامین معمولی اضافوں کے ساتھ زیرِ تبصرہ کتاب کی صورت میں یک جا شائع ہوئے۔"

کتاب کے پہلے باب کا ابتدائی حصہ "اسلامک لٹریچر" کے شمارہ بابت مئی ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا